غالب کی مثنوی درد و داغ

محمد عبداللہ قریشی*

غالب نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیا ہے۔ ہر صنف سخن میں اپنی جودتِ طبع کے جوہر دکھائے ہیں۔ غزل ہو یا قصیدہ، مثنوی ہو یا رباعی، قطعہ ہو یا مرثیہ، ہر میدان میں اپنے کمالِ فن کے جھنڈے گاڑے ہیں۔ بقول مولانا حالی: ''ان کا مرتبہ قصیدہ اور غزل میں عرفی اور نظیری کے لگ بھگ اور ظہوری سے بڑھا ہوا، مثنوی میں ظہوری کے لگ بھگ اور عرفی و نظیری سے بالا، نثر میں تینوں سے بالا تر ہے۔ ۔ ۔ ۔ یہ کہنا کچھ مبالغہ نہیں معلوم ہوتا کہ لٹریری قابلیت سے مرزا جیسا جامع حیثیات آدمی امیر خسرو اور فیضی کے بعد آج تک ہندوستان کی خاک سے نہیں اٹھا اور چونکہ زمانے کا رُخ بدلا ہوا ہے، اس لیے آیندہ بھی یہ امید نہیں کہ قدیم طرز کی شاعری و انشا پردازی میں ایسے باکمال لوگ اس سرزمین پر پیدا ہوں گے۔''[1]

غالب نے اگرچہ رومی، نظامی، خسرو یا فیضی کی طرح کوئی مبسوط مثنوی نہیں لکھی مگر ان کے فارسی کلیات میں چھوٹی بڑی گیارہ مثنویاں موجود ہیں جن میں سب سے بڑی ۱۰۹۸ بیت کی اور سب سے چھوٹی ۳۳ بیت کی ہے۔ یہ مثنویاں مختلف موضوعات پر ہیں۔ دو مثنویاں بہادر شاہ ظفر کی مدح میں، ایک ولی عہد بہادر شاہ کی شان میں، دو تقریظ کے طور پر، ایک شہر بنارس کی تعریف میں، ایک اہل کلکتہ کے اعتراضات کے جواب میں، ایک اسلامی مسائل کی تشریح میں، دو اخلاق اور ایک نامکمل صورت میں ہے۔ ان میں سرمۂ بینش، درد و داغ، رنگ و بُو، چراغ دیر، باد مخالف، ابر گہر بار اور امتناع نظیر خاتم النبیین وغیرہ خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہیں۔

مثنوی لفظ مثنٰی سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ''دو'' چونکہ اس کے ہر بیت میں دو ہم‌وزن قافیے ہوتے ہیں، اس لیے اسے مثنوی کہتے ہیں۔ یہ صنف

* محمد عبداللہ قریشی۔ مدیر ادبی دنیا، لاہور۔

۱۔ یادگار غالب (لاہور، ۱۹۶۳ء)، ۵۸۸-۵۸۹۔

اہل ایران کی ایجاد ہے اور انھی کی سرپرستی میں یہ پھلی پھولی اور اس نے ارتقا کی منزلیں طے کیں ۔ تمام انواعِ شاعری اور اصناف سخن میں یہی ایک چیز ہے جو سب سے زیادہ مفید اور ہمہ گیر ہے ۔ مظاہر قدرت کی عکاسی اس کا معمولی کرشمہ ، جذبات انسانی کی ترجمانی اس کا ادنیٰ وصف اور تخیل کی صورت گری اس کی چھوٹی سی کرامت ہے ۔ تاریخی حالات ہوں یا فرضی افسانے ، زندگی کا معاشرتی پہلو ہو یا اقتصادی رُخ ، عشق و محبت کی داستانیں ہوں یا جنگ و جدل کے واقعات ، سب اس کے ذریعے بیان کیے جا سکتے ہیں :

قسمت بادہ باندازۂ جام است این جا

یوں تو غالب کی ہر مثنوی جدتِ اسلوب ، علو تخیل ، تسلسلِ بیان ، حسنِ ترتیب اور پختگیٔ کلام کی منہ بولتی تصویر ہے اور فارسی زبان میں خاص درجہ رکھتی ہے مگر میں صرف ایک مختصر سی مثنوی کا تعارف کرانا چاہتا ہوں ۔ اسی سے باقی مثنویوں کا اندازہ ہو جائے گا ۔ اس مثنوی کا نام ''درد و داغ''[۱] ہے ۔ اس میں غالب نے ۱۸۸ بیت میں ایک نہایت دل چسپ قصہ بیان کر کے یہ حقیقت واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ قسمت کا لکھا اٹل ہوتا ہے ۔ اندازۂ قدرت بدلا نہیں جا سکتا ۔ نگاہِ مردِ مومن سے تقدیر راہ پر تو آ جاتی ہے مگر ہمت عالی نہ ہو اور موقع سے فائدہ نہ اُٹھایا جائے تو برگشتہ نصیبی پھر آڑے آتی ہے اور انسان کی ہر تدبیر الٹی ہو جاتی ہے ۔

قصہ مجمل طور پر یوں ہے کہ کسی جگہ ایک سنار رہتا تھا ۔ وہ تقدیر کا پٹیا تھا ۔ سونا اس کے ہاتھ میں آ کر مٹی ہو جاتا تھا ۔ تنگ دستی نے اس کا بُرا حال کر رکھا تھا ۔ فاقوں تک نوبت آ گئی تھی ۔ بوڑھے والدین کا بوجھ بھی اس کے کندھوں پر تھا ۔ وہ بہتیری دوڑ دھوپ کرتا ، ہاتھ نہ کھلتا ۔ جب افلاس کے ہاتھوں عرصۂ حیات اس پر بالکل تنگ ہو گیا تو وہ قسمت آزمائی کے لیے اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہوا اور اس نے کسی دوسرے مقام کا رخ کیا ۔

بے سر و سامانی ، راستے کی دشواری اور سفر کی صعوبت نے اس مختصر سے قافلے کو اور بھی پریشان کیا ۔ پاؤں میں چھالے پڑ گئے ، دھوپ کی گرمی اور پیاس کی شدت نے ان کو بے حال کر دیا ۔ اسی بے بسی اور فلاکت زدگی میں وہ پانی تلاش کرتے کرتے ایک صاحب دل صوفی کے تکیے میں پہنچے ۔ پانی پیا اور تازہ دم ہونے کے بعد انھوں نے اپنی داستان غربت و افلاس اس بزرگ کو سنائی ۔ وہ ان کی درد بھری کہانی سن کر بہت متاثر ہوئے ۔ انھوں نے درگاہ ایزدی میں ان کے لیے دعا کی ۔ دیر تک سجدے میں پڑے رہے ۔ مراقبہ کے عالم میں ان کے

۱۔ کلیات غالب فارسی : جلد اول ، (لاہور ۱۹۶۷ع) ، ۲۴۱-۲۵۲ ۔

سامنے لوح محفوظ پیش ہوئی ۔ صوفی نے ان کی سرنوشت پڑھی ۔ ان کی تقدیر کے نوشتے میں حرماں نصیبی کے سوا کچھ نہیں لکھا تھا ۔ وہ بے حد مغموم ہوئے ۔ انھوں نے ترس کھا کر دوبارہ خدا تعالیٰ سے ان پر رحم کرنے ، ان کی خستہ حالی دور کرنے اور دولت و راحت سے مالا مال کرنے کی التجا کی :

بر دل اندوہ گزینم بہ بخش　　جرم سہ تن را بہ یقینم بہ بخش
خستہ دلانند تو مرہم فرست　　دولت و راحت ز پےٴ ہم فرست
اے تو خداوند جہاں رحم کن　　برمن و این غمزدگاں رحم کن

غیب سے ندا آئی کہ ان کی تقدیر کا بل نکلنا تو مشکل ہے ۔ ان کے نصیبے میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہو سکتا ۔ وہ جس حال میں ہیں اسی حال میں رہیں گے ۔ ہاں تمھاری خاطر ان کی ایک ایک دعا قبول کی جا سکتی ہے ۔ یہ چاہیں تو اس موقع سے فائدہ اٹھائیں ۔

صوفی نے انھیں یہ مژدہ سنایا ۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ، وہ اتنی سی بات پر باغ باغ ہو گئے ۔ پیرزال تو صبر کا دامن ہی ہاتھ سے کھو بیٹھی ۔ وہ سب سے پہلے اس دعا کی آزمائش پر آمادہ ہوئی ۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے جوانی طلب کی اور کہا ۔ ''میں بہت ستم رسیدہ ہوں ۔ ساری عمر غم سہتی رہی ہوں ۔ ہمیشہ فقر و فاقہ ہی میں کٹی ہے ۔ تیرگئی بخت کا اثر میرے سیہ خانے کی رونق رہا ہے ۔ کیسہ و کاسہ دونوں خالی ہیں ۔ گور کنارے آ چکی ہوں ، کچھ حاصل نہیں ہوا ۔ میرا خاوند بھی :

با دگراں ساغر عشرت زند　　بامنِ ژولیدہ بہ نفرت زند

میں چاہتی ہوں کہ ایک دفعہ پھر جوان اور رونق خوبان جہاں ہو کر زندگی کا لطف اٹھاؤں''۔ وہاں کس بات کی کمی تھی ۔ اس کی دعا قبول ہوئی اور وہ فوراً ایک نئی نویلی اور طرح دار دوشیزہ بن گئی ، جس کا حسن آفتیں ڈھاتا تھا ۔

اتنے میں ایک نوجوان شہزادہ اپنے لشکر سے بچھڑ کر وہاں آنکلا ۔ عورت نے اسے اپنے حسن کے جال میں پھنسا لیا ۔ جب شہزادہ اسے اپنے ساتھ لے جانے لگا تو عورت نے اپنے بوڑھے خاوند اور لڑکے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ ڈاکو ہیں اور مجھے زبردستی ایک قافلے سے بھگا لائے ہیں ۔ شہزادہ عورت کو لے کر وہاں سے چل دیا ۔

بوڑھا نہایت حسرت و اندوہ سے یہ منظر دیکھتا رہا ۔ دنیا اس کی نظروں میں اندھیر ہو گئی ۔ وہ جذبات انتقام سے بے قابو ہو گیا ۔ اس نے خدا سے التجائی کہ یہ بے وفا عورت مادہ خوک بن جائے ۔ اِدھر الفاظ بوڑھے کے منہ سے نکلے ، اُدھر عورت مادہ خوک بن گئی ۔ شاہزادہ یہ فوری انقلاب دیکھ کر ڈر گیا اور

اسے وہیں چھوڑ کر بھاگ گیا ۔

عورت (مادہ خوک) اپنے مستقبل سے مایوس ہو کر اپنے لڑکے اور خاوند کے پاس واپس آئی اور نہایت رحم طلب نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگی ۔ بوڑھے نے منہ پھیر لیا اور اس کی طرف التفات ہی نہ کیا ۔ مگر بیٹے کا دل بھر آیا ۔ ماں کی محبت اس کے خون میں جوش مارنے لگی ۔ اس نے نہایت عجز و زاری سے دعا کی ۔

خداوندا ! تو میری والدہ کو دوبارہ انسانی صورت عطا فرما دے ۔ یہ دعا بھی قبول ہوئی اور عورت پھر اپنی اصلی حالت میں آ گئی ۔

تقدیر کے آگے تدبیر کی کوئی پیش نہ چلی اور تینوں اپنی محرومی اور حرماں نصیبی کا داغ لیے وہاں سے یہ کہتے ہوئے چل دیے :

در بدر ناصیہ فرسائی سے کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے

غالب کی یہ مثنوی تسلسل خیال ، حسن ترتیب ، فنی خوبیوں ، وقائع نگاری اور افسانے کی دلچسپی کے لحاظ سے ایک عجیب چیز ہے ۔ یہی خصائص ایک اچھی مثنوی کا طغرائے امتیاز ہو سکتے ہیں ۔ دیکھیے افلاس کی تصویر کتنی مکمل ہے :

دست تہی آئینۂ قسمتش — زخم دل و داغ جگر دولتش
خانہ اش از دشت خطرناک تر — پیرہنش از جگرش چاک تر
مایۂ او داغ و ہان در برش — حاصل او خاک و ہان بر سرش
ہر سحرش تیرہ تر از تیرہ شام — فاقہ پۓ فاقہ کشیدی مدام

یعنی اس کے خالی ہاتھ قسمت کا آئینہ تھے ۔ دل کے زخم اور جگر کے داغ ہی اس کی دولت تھے ۔ اس کا مکان ویرانے سے زیادہ دہشت ناک اور ہراس آفریں تھا ۔ اس کا پیراہن جگر سے زیادہ پھٹا ہوا تھا ۔ داغ اس کی پونجی اور خاک اس کی کمائی تھی جو ہر وقت اس کے سر پر پڑی رہتی تھی ۔ ہر صبح شام سے زیادہ تاریک تھی اور وہ فاقے پر فاقہ سہتا تھا ۔

عزیمت سفر کا منظر کس قدر ہولناک دکھایا ہے :

ہر سہ تن آئینۂ وحشت شدند — بادیہ پیمائی سیاحت شدند
ریخت جنون برتپش آہنگہا — ماند وطن دور بفرسنگہا
مرحلۂ چند نوشتند راہ — تا برسیدند بدشتے تباہ

''آئینۂ وحشت'' کی ترکیب بالکل اچھوتی اور قابل داد ہے ۔

لق و دق صحرا اور تشنگی وحدت آفتاب کا نقشہ کھینچنے میں بھی شاعرانہ کمال دکھایا ہے :

وادی دروے کہ ہزارش بلا — خاک بلا خیز و غبارش بلا

لالۂ خود روش ز خون شہید ذرہ اش از جوہر تیغ یزید
گشت در آن وادی آشوبناک جامۂ عریانی شان چاک چاک
ہر قدم آنجا بسر دار بود عربدۂ آبلہ و خار بود
بود بہم ہر غم و رنجے کہ بود تشنہ لبی آفت دیگر فزود
شد ہوس آب بدل شعلہ زن سوختن آمد بہ جگر سوختن
ہوش دران معرکہ بے ہوش گشت پا بوداعِ قدم آغوش گشت
تیزی رفتار ستم کردہ بود پائے تگ و تاز قلم کردہ بود
آبلہ ساغر شد و ساغر نشد زہرہ شد آب و لب شان تر نشد
از تپش دل بتمنائے آب ظرف نہ بستند بجز اضطراب

پیر زال جب جوانی حاصل کرتی ہے تو مرزا غالب اس کے حسن و شباب کی تصویر میں یوں رنگ بھرتے ہیں :

دید کہ مہ چہرہ و زیبا ستم حیرت خویشم چہ تماشا ستم
چہرہ بر افروخت ز تاب عذار یافت خزاں را سر و برگ بہار
ارث خم پشت بکاکل رسید سلسلۂ ناز بسنبل رسید
قمری طاؤس پدید آمدہ چوں رمضان رفتہ و عید آمدہ
تازہ فسونے بہ تمنا دمید شاد و نوان بر سر شوہر رسید
تاب عذارش بسیاہیِ موی زد شبخونی بدل و جان شوی

یعنی بڑھیا نے دیکھا کہ اس کا چہرہ روکش مہتاب اور آئینہ دار آفتاب ہو گیا ۔ وہ حسن دلاویز کی مجسم مورت بن گئی ۔ رخسار کی آب و تاب سے اس کا چہرہ دمک اٹھا ۔ خزاں دیدہ سرو کو باد بہاری نے نیا لباس پہنا دیا ۔ قد کی خمیدگی کاکل سیاہ نے چھین لی ۔ ناز و انداز عود کر آئے ۔ طاؤس طناز کی طرح اس کا جسم حسن کی رعنائیوں کا گہوارہ بن گیا ۔ گویا رمضان رخصت ہوا اور عید آ گئی ۔ آرزوؤں اور تمناؤں نے اس کے دل میں ایک نیا افسوں پھونکا اور وہ خراماں خراماں اپنے خاوند کے سامنے آئی تا کہ اپنے رخساروں کی آب و تاب اور بالوں کی سیاہی سے اس کے دل و جان پر شبخون مارے ۔

حسن کی رعنائی اور دلفریبی کی تصویر اس سے زیادہ مختصر الفاظ اور دلکش پیرایہ میں کیا کھینچی جا سکتی ہے ۔ یہ مثنوی غالب کے علو تخیل اور جذبات انسانی کی ترجمانی کا بہترین نمونہ ہے ۔ افسانے کی دلچسپی شروع سے آخر تک قائم رہتی ہے اور مثنوی ختم کیے بغیر دل نہیں مانتا ۔

تقدیر کا فلسفہ کیا ہے ؟ اس سے بحث نہیں ۔ غالب نے اس قصے کو یہ کہہ کر ختم کر دیا ہے :

عالم تقدیر چنین است و بس حاصل تحریر من این است و بس